ماہنامہ **السنۃ** جہلم،شمارہ نمبر27

صفر ۱۴۳۲ھ ،الموافق جنوری ۲۰۱۰ء

اسلام ایک ایسا معتدل مذہب ہے جس نے اپنی دعوتِ حق کی بنیاد ایسے اصولوں پر قائم کی، جن میں افراط وتفریط اور غلو وتقصیر کا شائبہ تک نہیں۔ یہ جن وانس کو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا درس دیتا ہے۔ گم شدگانِ راہِ حق اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی اور صحیح راہ پر گامزن کرتا ہے۔ اور ان تمام راستوں کو مسدود کرتا ہے، جن پر چل کر انسان مخلوق کی عبادت تک پہنچ سکتا ہے۔ شرک تک پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ قبروں کی حد درجہ تعظیم ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ آپ اپنی آنکھوں سے کر چکے ہیں۔

قبر پرستی یقیناً گمراہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قبروں کے متعلق شرعی احکام سے چشم پوشی اور ان کی شرعی حرمت سے تجاوز ہے۔ یہی اقدام انسان کو شرک تک لے جاتا ہے، بلکہ پہلی امتوں کا مثیل بنا دیتا ہے۔ علومِ دینیہ سے ناواقف بعض لوگوں نے اپنے عقائد واعمال کی بنیاد قبروں کے حد درجہ احترام کو بنالیا ہے۔ تب ہی تو انہوں نے قبروں پر گنبد اور قبے بنا رکھے ہیں۔ ان کی بے پناہ نمائش وآرائش، حسن وزینت کر رکھی ہے۔ یہ پرشوکت اور دلنشین مقبرے نہ صرف شرک کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، بلکہ بدعات وخرافات کی آماجگاہیں بھی ہیں۔

قبروں پر قبے اور گنبد بنانا اتنی مہلک بدعت ہے جس کا آخری نتیجہ کفر اور ترکِ ایمان پر پہنچتا ہے۔ ان قبوں کی بدولت بعض لوگوں کی نہ صرف بقا وابستہ ہے، بلکہ ان کی شکم پروری کا بہترین ذریعہ بھی ہیں۔ جہاں تک ان کی تاریخ کا تعلق ہے تو اس امت میں سب سے پہلے یہ روش رافضیوں نے اختیار کی، بعد میں بریلویوں نے اپنائی، جیسا کہ:

مشہور شیعہ محمد حسن الحائری لکھتے ہیں: وقالت الإماميّة : يجوز بناء القبور للأنبياء والأولياء ، وتشييدها وحفظها .

''امامیہ (شیعہ کا ایک گروہ) کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں پر تعمیر کرنا، ان کو پختہ کرنا اور ان کی حفاظت کرنا جائز ہے۔'' (البراهين الجلية : ص ٤١)

صحابہ کرام، تابعین عظام کے دَور میں قبروں پر شاید قبوں کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا۔ صحیح احادیث اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال سے ان کے بارے میں مذمت ضرور ثابت ہے، جیسا کہ:

① سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يجصّص القبر ، وأن يقعد عليه ، وأن يبنى عليه . ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔'' (صحيح مسلم : ۳۱۲/۱، ح : ۹۷۰)

② سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وقتِ وفات کچھ وصیتیں فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی: **ولا تجعلوا على قبرى بناء .**

''میری قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا۔'' حاضرین نے ان سے پوچھا:

أو سمعت فيه شيئا ، قال : نعم ، من رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .

''کیا اس بارے میں آپ نے کوئی بات سنی ہے؟ فرمایا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔''

(مسند الامام احمد : ۳۹۷/٤، وسندهٔ حسنٌ)

③ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت ہے: **انّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم نهى ان يبنى على القبر .** ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔'' (سنن ابن ماجه : ١٥٦٤، وسندهٔ صحيحٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰۔۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: **وقد رأيت من الولاة من يهدم بمكّة ما يبنى عليها ، فلم أر الفقهاء يعيبون ذلك .**

''میں نے حکمرانوں کو مکہ مکرمہ میں قبروں پر سے عمارتیں گراتے دیکھا ہے۔ فقہائے کرام کو

میں نے اس پر کوئی اعتراض کرتے نہیں دیکھا۔'' (کتاب الام للشافعی : ۱/۳۱٦)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وكذلك القباب التى على القبور ، يجب هدمها كلّها ، لأنّها أسّست على معصية الرسول ، لأنّه قد نهى عن البناء على القبور ... وقد أمر رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بهدم القبور المشرّفة ... فهدم القباب والبناء والمساجد التى بنيت عليها أولى وأحرى ، لأنّه لعن متّخذى المساجد عليها ، ونهى عن البناء عليه ، فيجب المبادرة والمساعدة إلى هدم ما لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فاعله ونهى عنه .** ''اسی طرح ان سب قبوں کو گرانا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر ہے۔ اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارتوں سے منع فرمایا ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بلند قبروں کو گرانے کا حکم دیا ہے۔۔۔ چنانچہ قبوں، عمارتوں اور ان مساجد کو گرانا زیادہ ضروری، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور قبروں پر عمارتیں بنانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جس کام کو کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس کے فاعل پر لعنت کی ہے، اسے جلد گرانا اور اس کام پر تعاون کرنا ضروری ہے۔'' (اغاثۃ اللهفان لابن القیم : ۱/۳۲۷)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۷٦۲۔۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: **وأن يبنى عليه ، أى على القبر لما ذكرنا ، ولفظ البناء عامّ يشمل سائر أنواع البناء ، فالكراهة تعمّ فى الجميع .** ''قبر پر عمارت بنانا (بھی ممنوع ہے)، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بناء (عمارت) کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی عمارت کو شامل ہے، لہٰذا ہر قسم کی عمارت میں کراہت عام ہے۔'' (شرح ابی داؤد للعینی : ٦/۱۸۲)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (٦۰۰۔٦۷۱ھ) لکھتے ہیں: **فاتّخاذ المساجد على القبور ، والصلاة فيها ، والبناء عليها ، إلى غير ذلك ما تضمّنته**

السنّة من النهي عنه ممنوع ، لا يجوز .
''قبروں پر مساجد کی تعمیر، ان میں نماز کا اہتمام، ان پر عمارتیں بنانا وغیرہ امور، جن کی ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے، یہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں۔'' (تفسير القرطبي : ۳۷۹/۱۰)

④ حیان بن حصین ابو الہیاج الاسدی تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قال لي عليّ بن أبي طالب : ألا أبعثك على بعثني عليه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ؟ أن لا تدع تمثالا إلّا طمسته ، ولا قبرا مشرّفا إلّا سوّيته ...

''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ کوئی مورتی دیکھو تو اس کو مٹا دو اور کوئی بلند قبر دیکھو تو اس کو برابر کر دو۔'' (صحيح مسلم : ۳۱۲/۱، ح : ۹۶۹)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فيه ــ أي الحديث ــ أنّ من السنّة أنّ القبر لا يرفع رفعا كثيرا ، من غير فرق بين من كان فاضلا ، ومن كان غير فاضل ، والظاهر : أنّ رفع القبور زيادة على القدر المأذون فيه محرّم ... ومن رفع القبور الداخل تحت الحديث دخولا أوّليّا : القبب والمشاهد المعمورة على القبور ، وأيضا هو من اتّخاذ القبور مساجد ، وقد لعن النبي صلّى الله عليه وسلّم فاعل ذلك ، وكم قد سرى عن تشييد أبنية القبور وتحسينها من مفاسد يبكي لها الإسلام منها : اعتقاد الجهلة لها كاعتقاد الكفّار للأصنام وعظم ذلك ، فظنّوا أنّها قادرة على جلب النفع ودفع الضرر ، فجعلوها مقصدا لطلب قضاء الحوائج وملجأ لنجاح المطالب ، وسألوا منها ما يسأله العباد من ربّهم وشدّوا إليها الرحال وتمسّحوا بها واستغاثوا ، وبالجملة إنّهم لم يدعوا شيئا ممّا كانت الجاهلية تفعله بالأصنام إلّا فعلوه ، فإنّا للّه وإنّا إليه راجعون ، ومع هذا المنكر الشنيع والكفر

الفظيع لا نجد من يغضب للّٰه ويغار حميّة للدين الحنيف ، لا عالما ولا متعلما ولا أميرا ولا وزيرا ولا ملكا ، وقد توارد إلينا من الأخبار ما لا يشكّ معه أنّ كثيرا من هؤلاء المقبوريين أو أكثرهم إذا توجّهت عليه يمين من جهة خصمه حلف باللّٰه فاجرا ، فإذا قيل له بعد ذلک : احلف بشيخک ومعتقدک الوليّ الفلاني تلعثم وتلكّأ وأبى واعترف بالحقّ ، وهذا من أبين الأدلّة الدالة على أن شركهم قد بلغ فوق شرک من قال : إنّه تعالى ثاني اثنين أو ثالث ثلاثة ، فيا علماء الدين ويا ملوک المسلمين ! أيّ رزء للإسلام أشدّ من الكفر ، وأيّ بلاء لهذا الدين أضرّ عليه من عبادة غير اللّٰه ، وأيّ مصيبة يصاب بها المسلمون تعدل هذه المصيبة ، وأيّ منكر يجب إنكاره إن لم يكن هذا الشرک البيّن واجبا :

لقد أسمعت لو ناديت حيّا — ولكن لا حياة لمن تنادى

ولو نارا نفخت بها أضاء ت — ولكن أنت تنفخ فى الرماد

''اس حدیث میں بیان ہے کہ فاضل وغیر فاضل کا فرق کیے بغیر قبر کو زیادہ اونچا نہ کرنا مسنون ہے۔ظاہر ہے کہ قبروں کو مقررہ مقدار سے زیادہ اونچا کرنا حرام ہے۔۔۔اس حدیث میں قبروں کو اونچا کرنے کی ممانعت میں سب سے پہلے قبےاور پُر رونق مزارات داخل ہیں۔یہ قبروں پر مساجد بنانے کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔نبیِ اکرم ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔قبروں کو پختہ بنانے اوران کی آرائش وزیبائش میں کتنے ہی ایسے مفاسد مضمر ہیں ،جن پر اسلام روتا ہے۔ان مفاسد میں سے ایک جاہل لوگوں کا وہ اعتقاد ہے جو کفار کے بتوں کے بارے میں اعتقاد سے ملتا جلتا ہے، بلکہ اس سے گھمبیر ہے۔انہوں نے ان قبروں کو نفع پہنچانے اورنقصان ہٹانے پر قادر سمجھ لیا ہے۔انہوں نے ان قبروں کو حاجت روائی کا مرکز اور مقاصد کے حصول کے لیے پناہ گاہ بنالیا ہے۔جو کچھ بندے اپنے ربّ سے مانگتے ہیں ،انہوں

نے وہ کچھ قبروں سے مانگنا شروع کردیا ہے۔ان کی طرف رختِ سفر باندھنے لگے ہیں،ان کو متبرک سمجھ لیا ہے اوران سے فریادیں کرنے لگے ہیں۔الغرض انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جواہل جاہلیت نے بتوں کے ساتھ کیا تھا۔ إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون .

پھراس قبیح بُرائی اور گندے کفر کے مقابلے میں ہم کسی عالم و متعلم ،امیر ووزیراور بادشاہ کو نہیں پاتے جواللہ کے لیے غصے کا اظہار کرے اور دینی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرے۔ہمارے پاس ایسی بہت سی یقینی خبریں پہنچی ہیں کہ ان قبر پرستوں کی اکثریت ایسی ہے کہ اگر اسے اپنے مخالف کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم اُٹھانے کا مطالبہ آئے تو وہ ایسا کرگزرتا ہے،لیکن اگر اسے کہا جائے کہ تُو اپنے شیخ یا اپنے فلاں پیر کی قسم اُٹھا تو وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے اور انکار کرکے حق کا اعتراف کرلیتا ہے۔یہ واضح دلائل ہیں کہ ان لوگوں کا شرک دو الٰہوں یا تین الٰہوں کے قائلین سے بڑھ گیا ہے۔اے علمائے دین اوراے مسلمانوں کے حکمرانو! کفر سے بڑھ کر اسلام کو نقصان کس چیز کا ہوگا؟ غیر اللہ کی عبادت سے بڑھ کر کون سی چیز اس دین کے لیے زیادہ ضرر رساں ہے؟ مسلمانوں کو پہنچنے والے مصائب میں سے اس سے بڑھ کر مصیبت کون سی ہوگی؟اس واضح شرک سے بڑھ کراور کونسی بُرائی کو روکنا واجب ہوگا؟

اگرتم زندہ کو پکارتے تو اپنی بات سنانے میں کامیاب ہوجاتے
لیکن جس کو تم پکار رہے ہو،اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں
اگرتم آگ (کے انگاروں) میں پھونکتے تو وہ بھڑکتی
لیکن تم تو خاک میں پھونکیں مارتے پھر رہے ہو۔''

(نيل الاوطار للشوكاني : ٤/٩٥)

حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۶ھ) لکھتے ہیں: **ولا يحلّ أن يبنى القبر ، ولا أن يجصّص ، ولا أن يزاد على تُرابه شيء ، ويهدم كلّ ذلك .**

''قبر پرکوئی عمارت بنانا،اس کو پختہ کرنا،اس کی (کھودی ہوئی) مٹی سے زائد مٹی ڈالنا جائز

نہیں۔ان سب چیزوں کوگرادیاجائے گا۔'' (المحلی لابن حزم : ٥/٣٣)

⑤ ثمامہ بن شفی کہتے ہیں: **كنّا مع فضالة بن عبيد بأرض الروم برُودسن ، فتوفّى صاحب لنا ، فأمر فضالة بن عبيد بقبره ، فسوّى ، ثمّ قال : سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يأمر بتسويتها .**

''ہم سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کی سرزمین میں رودس نامی جگہ میں تھے۔ ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا تو ہمیں سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر برابر کرنے کا حکم دیا اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے سنا ہے۔''

(صحيح مسلم : ١/٣١٢، ح : ٩٦٨)

⑥ ابومجلز تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

إنّ تسوية القبور من السنّة ، وقد رفعت اليهود والنصارى ، فلا تشبّهوا بهم . ''قبروں کو برابر کرنا سنت ہے۔ یہود ونصاریٰ نے قبروں کو بلند کیا ہے، تم ان کی مشابہت نہ کرو۔'' (المعجم الكبير للطبراني : ١٩/١٥٢، ح : ٨٢٣، اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية : ١/٢٩٧، وسندهٔ صحيحٌ)

⑦ ابومجلز تابعی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: **تسوية القبور من السنّة .**

''قبروں کو برابر کرنا سنت ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ٣/٣٤٢، وسندهٔ صحيحٌ)

⑧ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رحمہ اللہ نے یہ وصیت فرمائی تھی:

يا بنيّ ! لا تكتب على قبرى ، ولا تشرّفه إلّا قدر ما يرد عنّى الماء .

''بیٹا! میری قبر پر کچھ نہ لکھنا، نہ ہی اسے بلند کرنا، مگر اتنا کہ مجھ سے پانی ہٹ جائے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ٣/٣٣٥، وسندهٔ حسنٌ)

⑨ عمرو بن شرحبیل نے فرمایا: **ولا ترفعوا جدثي ، فإنّي رأيت المهاجرين يكرهون ذلك .** ''تم میری قبر کو اونچا نہ کرنا، کیونکہ میں نے

مہاجرین صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے۔''

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ۱۰۸/٦، وسندہٗ صحیحٌ)

⑩ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، رسول اللہ ﷺ کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:

ورفع قبره من الأرض نحوا من شبر . ''آپ ﷺ کی قبر زمین سے تقریباً ایک بالشت اونچی کی گئی تھی۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی : ۴۰۷/۳، وصححہ ابن حبان : ٦٦٣٥، وسندہٗ صحیحٌ)

سفیان التمار کہتے ہیں: **دخلت البيت الذى فيه قبر النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فرأيت قبر النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وقبر أبى بكر وعمر مسنّمة .** ''میں اس حجرے میں داخل ہوا جس میں نبیِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک ہے۔ میں نے رسولِ اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کو کوہان نما دیکھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۳۳/۳، صحیح البخاری : ۱۸٦/۱، ح : ۱۳۹۰ مختصرا ، وسندہٗ صحیحٌ)

قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **دخلت على عائشة ، فقلت : يا أمّه ! اكشفى لى عن قبر رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وصاحبيه ، فكشفت عن ثلاثة قبور ، لا مشرّفة ولا لاطئة ، مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء .**

''میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا: اے امی جان! میرے لیے رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں کھولیں (یعنی اپنا حجرہ کھولیں) تو انہوں نے میرے لیے تینوں قبریں کھولیں۔ نہ وہ اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین کے ساتھ برابر بچھی ہوئی تھیں۔ میدان کی سرخ کنکریاں ان پر بچھی ہوئی تھیں۔''

(سنن ابی داوٗد : ۳۲۲۰، وسندہٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۳٦۹) نے اس اثر کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کے راوی عمرو بن عثمان بن ہانی کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات'' (۸/ ۴۷۸) میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کر دی ہے، لہٰذا یہ ''حسن الحدیث'' ہے۔

قبوریوں کے دلائل

اب ہم ان لوگوں کے دلائل کا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں جو انبیاء، اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانے کے قائل و فاعل ہیں۔ یقین جانیں کہ اس مسئلہ میں ان کا دامن دلائل سے بالکل خالی ہے، بلکہ ان کا یہ اقدام احادیثِ صحیحہ اور آثارِ قویہ کے سراسر خلاف ہے، جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں۔ انہوں یہ عقیدہ روافض سے مستعار لیا ہے۔

① امامِ بریلویت احمد یار خان نعیمی بریلوی اولیاء اللہ کی قبروں پر گنبد بنانے کے حوالے سے اپنی پہلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

''جب نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا، ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر رکھا اور فرمایا: **أتعلّم بها قبر أخي ، وأدفن إليه من مات من أهلي .** (میں اس پتھر سے اپنے بھائی کی قبر کو پہنچانوں کا اور اپنے فوت ہونے والے رشتہ داروں کو اس کے ساتھ دفن کروں گا۔) (سنن ابی داؤد : ۳۲۰۶، تاریخ المدینة : ۱/۱۰۲، السنن الکبریٰ للبیھقی : ۳/۴۱۲، وسندہٗ حسنٌ ، وحسّن إسناده الحافظ ابن حجر فی التلخیص الحبیر : ۲/۱۳۳، ح : ۷۹٤)

تبصرہ : اس کو کہتے ہیں: ''سوال گندم، جواب چنا۔'' بنانے چلے تھے قبروں پر گنبد اور دلیل پیش کر دی ہے قبر پر نشانی کے طور پر پتھر رکھنے کی۔ بھلا اس کا کون منکر ہے؟ ہمیں دلیل پیش کریں قبر پر گنبد اور مقبرہ بنانے کی۔

قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ کیا اس حدیث کو قبروں پر گنبد بنانے کے ثبوت میں

پیش کرنا عقل اور علم پر ظلم نہیں ہے؟

④ خارجہ بن یزید کہتے ہیں: رأیتنی ، ونحن شبّان في زمن عثمان رضی اللّٰہ عنه ، وإنّ أشدّنا وثبة الذی یثب قبر عثمان بن مظعون ، حتی یجاوزه . ''مجھے یاد ہے کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوان تھے۔ ہم میں سے زیادہ مضبوط وہ ہوتا تھا، جو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو کود کر پھلانگ جاتا تھا۔''

(صحیح البخاری : ۱/۱۸۲، قبل حدیث : ۱۳۶۱، التاریخ الصغیر : ۱٤٦، وسندهٗ حسنٌ)

جناب ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ''بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پتھر لگایا، اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا، بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے قبر کچھ اونچی کر دی جائے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۳)

تبصرہ: قارئین کرام نے نعیمی صاحب کی پریشانی ملاحظہ فرمالی ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: **ثمّ حملها ، فوضعها عند رأسه .**

''پھر آپ ﷺ نے اس پتھر کو اُٹھا کر ان (سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کی قبر کے سرہانے رکھ دیا۔'' لیکن مفتی صاحب کبھی کہتے ہیں: ''ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔'' کبھی کہتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ خود قبرِ عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا۔'' اور کبھی کہتے ہیں: ''خود قبر میں سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی، مگر سرہانے کا ذکر کیا۔'' وغیرہ

بھلا اس طرح ''صُغرے کُبرے'' جوڑنے سے قبروں پر گنبد بن جائیں گے؟ بات بالکل سیدھی سی تھی کہ بطورِ نشان اس قبر کے سرہانے آپ ﷺ نے وہ پتھر رکھا۔ یہ جائز امر ہے۔ آج بھی بطورِ نشان قبر پر پتھر رکھا جا سکتا ہے۔ رہا قبر پھلانگنا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ قبر اتنی اونچی تھی کہ اس کو پھلانگنا مشکل تھا، بلکہ قبر کی لمبائی کی طرف اشارہ ہے کہ اس قدر لمبی قبر تھی کہ پھلانگنا مشکل تھا۔ بہرحال جو بھی ہو، اس سے قبروں پر قبے بنانے کا ثبوت فراہم کرنا فریب کاری ہے۔

③ قرآنِ کریم نے اصحابِ کہف کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴾ (الكهف : ٢١)

''وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحابِ کہف پر مسجد بنائیں گے۔''

("جاء الحق" از نعیمی : جلد ١ ص ٢٨٣)

تبصرہ: اس سے قطع نظر کہ اصحابِ کہف کی غار پر قبر بنانے والے لوگ مسلمان تھے یا مشرک، ان کے مسجد بنانے کی تفسیر میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أكرموا إخوانكم ، قال : فنظروا في أمرهم ، فقالوا : لنتّخذنّ عليهم مسجدا ، فجعلوا يصلّون عليهم ، ويستغفرون لهم ، ويدعون لهم .

''(ان لوگوں نے کہا) اپنے بھائیوں کی عزت کرو۔ انہوں نے غور و فکر کے بعد کہا کہ ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔ پھر وہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے لگے، ان کے لیے استغفار کرنے لگے اور ان کے حق میں دعا مانگنے لگے۔'' (تغليق التعليق لابن حجر : ٢٤٦/٤، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

بس بات اتنی تھی، اس سے قبروں پر بڑے بڑے قبوں کا جواز کیسے؟

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فإنّ بناء المساجد على القبور ليس من دين المسلمين ، بلك هو منهيّ عنه بالنصوص الثابتة عن النبيّ صلّى**

اللّٰـه عـليـه وسلّم واتّفاق أئمّة الدين ، بل لا يجوز اتّخاذ القبور مساجد ، سواء كـان ذلک ببـنـاء الـمسـاجـد عـليهـا أو بقصد الصلاة عندها ، بل أئمّة الدين متّفقون علی النهی عن ذلک . ''قبروں پر مسجدیں بنانے کا تعلق مسلمانوں کے دین سے نہیں ہوسکتا، بلکہ نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت شدہ نصوص اور ائمہ دین کے اجماع میں اس کی ممانعت موجود ہے۔قبروں کو مسجدیں بنانا جائز ہی نہیں،خواہ ان پر مسجدیں بنا کر یہ کام کیا جائے یا ان کے نزدیک نماز پڑھ کر۔تمام ائمہ دین اس سے روکنے پر متفق ہیں۔''

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۲۷/۴۸۸)

علامہ آلوسی حنفی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: واستـدلّ بـالآية عـلـی جواز البناء علی قبور الصلحاء واتّخاذ مسجد عليها ، وجواز الصلاة فی ذلک ، ومـمـن ذكر ذلک الشهاب الخفاجی فی حواشيه علی البيضاوی ، وهو قول بـاطل ، فاسد ، كاسد . ''اس آیتِ کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صلحاء کی قبروں پر عمارت و مسجد بنانا جائز ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔شہاب خفاجی نے بیضاوی پر اپنے حاشیوں میں یہ بات کی ہے۔یہ قول باطل،فاسد اور بالکل بودا ہے۔''

(تفسیر روح المعانی للآلوسی : ۱۵/۲۳۷)

نیز فرماتے ہیں: وقـد رأيـت مـن يبيـح مـا يفعله الجهلة فی قبور الـصـالـحيـن مـن أشـرافهـا ، وبـنـائـه بـالجصّ والآجرّ وتعليق القناديل عليها ، والـصـلاة إليهـا ، والـطـواف بهـا ، واستـلامهـا ، والاجتماع عندها فی أوقات مـخـصـوصة ، إلـی غير ذلک محتجّا بهذه الآية الكريمة ، وبما جاء فی بعض روايـات الـقـصّة مـن جـعـل الـمـلک لهم فی كلّ سنة عيدا ، وجعله إيّاهم فی تـوابيـت مـن سـاج ... وكـلّ ذلک محادة للّٰه تعالی ورسوله ، وإبداع دين لم يأذن به اللّٰه عزّ و جلّ .

''میں نے لوگوں کو نیک لوگوں کی قبروں پر جاہلیت پر مبنی کام کرتے دیکھا ہے۔ وہ ان کو اونچا کرتے ہیں، چونے اور اینٹوں کے ساتھ پختہ بناتے ہیں، ان پر قندیلیں لٹکاتے ہیں، ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، ان کو چومتے ہیں، مخصوص اوقات میں ان کے پاس جمع ہوتے ہیں، وغیرہ۔ وہ دلیل اس آیت کریمہ سے لیتے ہیں، نیز اصحابِ کہف کے قصہ میں جو یہ ذکر ہے کہ بادشاہ ہر سال عید مناتا تھا اور اس نے انہیں لکڑی کے ایک تابوت میں رکھ دیا تھا۔۔۔ یہ سب کچھ اللہ و رسول کی مخالفت ہے اور ایسے دین کی ایجاد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔'' (تفسیر روح المعانی : ۲۳۹/۱۵)

علامہ ابنِ رجب رحمہ اللہ (۷۳۶۔۷۹۵ھ) لکھتے ہیں: **وقد دلّ القرآن علـى مثـل ما دلّ عليه هذا الحديث ، وهو قول اللّه عزّ وجلّ فى قصّة أصحاب الـكهف : ﴿ قَـالَ الَّـذِينَ غَلَبُوا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِداً ﴾** (الكهف : ۲۱)، **فـجـعـل اتّـخـاذ الـقبـور عـلـى المساجد من فعل أهل الغلبة على الأمور ، وذلک يشـعـر بأنّ مستند القهر والغلبة واتّباع الهوى ، وأنّه ليس من فعل أهل العلم والفضل المتّبعين لما أنزل اللّه على رسله من الهدى .**

''قرآنِ کریم نے بھی وہی بات بیان کی ہے، جو حدیثِ نبوی نے بیان کی ہے۔ اصحابِ کہف کے قصے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **قَـالَ الَّـذِيـنَ غَـلَبُـوا عَـلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَـلَيْهِمْ مَسْجِداً** ﴾ (الكهف : ۲۱) (ان کے معاملے پر کنٹرول رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ہم ضرور ان پر مسجد بنائیں گے)۔ قبروں پر مساجد بنانے کا کام معاملات چلانے والے لوگوں کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اعتماد غلبے، تسلط اور خواہشِ نفس پر تھا، نیز یہ ان اہلِ علم و فضل کا کام نہیں جو رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔''

(فتح الباری لابن رجب : ۳۹۷/۲)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: **وذهب الجمهور إلى**

أنّ هـذا الارتـفاع المأمور بإزالته هو ما زاد على التسنيم ، ويبقى القبر ما يعرف بـه ويـحتـرم ، وذلک صفة قبر نبيّنا محمّد صلّى الله عليه وسلّم وقبر صاحبيه رضـي الله عنهما . ''جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قبر کی جس اونچائی کو گرانے کا حکم ہے، وہ ہے جو کوہان نما بننے سے زائد ہو۔اتنی قبر باقی رکھی جائے گی کہ اس کی پہچان رہے اور اس کا احترام رہے۔ ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کی قبروں کا یہی حال ہے۔'' (تفسیر القرطبی : ۱۰/۳۸۰)

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''قرآنِ کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا۔ایک تو اصحابِ کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا، دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا۔اور کسی بات کا ذکر نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸٤)

تبصرہ : مفتی صاحب بے چارے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔کوئی بھی دلیل قبر پر گنبد بنانے کے حوالے سے نہیں مل سکی ۔اب قرآنِ کریم پر جھوٹ باندھنے پر تُل گئے ہیں۔''اصحابِ کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا'' یہ قرآنِ کریم کی کس آیت کا مفہوم ومعنیٰ ہے؟ ہم نے آیتِ کریمہ کی تفسیر میں **مسجدا** کا مفہوم سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے باسندِ صحیح بیان کر دیا ہے۔اس آیتِ کریمہ سے قبوں اور گنبدوں کا جواز نکالنا سراسر تحریفِ قرآن ہے۔انبیاء کی قبروں پر مسجدیں یہودی بناتے تھے یا پھر روافض ۔اب یہ جھنڈا اپنے آپ کو سنی کہلوانے والوں نے تھام لیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: انّ أمّ حبيبة وأمّ سـلـمة ذكـرتـا كـنيسة رأيـنهـا بـالـحبشة فيهـا تـصاوير ، فذكرتا للنبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، فـقـال : ((إنّ أولـئک إذا كـان فيهـم الـرجل الصالح فمات ، بنوا على قبره

مسـجـدا وصـوّروا فيـه تـلـک الـصـور ، فـأولـئـک شـرار الخلق عند اللّٰہ يوم الـقيـامــة)) . ’’سیدہ امِ حبیبہ اور سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصاویر تھیں۔ انہوں نے اس کا ذکر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس طرح کی تصویریں بناتے۔ یہ لوگ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک ساری مخلوق سے بُرے ہوں گے۔‘‘

(صحیح البخاری : ۶۲/۱، ح : ۴۳۴، صحیح مسلم : ۲۰۱/۱، ح : ۵۲۸، واللفظ لهٗ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ موت میں فرمایا:

لـعن اللّٰہ اليهود والنصاری ، اتّخذوا قبور أنبيائهم مسجدا ، قالت : ولولا ذلک لأبرز قبره ، غير أنّي أخشى أن يتّخذ مسجدا .

’’اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی رکھی جاتی، نیز مجھے خدشہ ہے کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔‘‘

(صحیح البخاری : ۱۷۷/۱، ح : ۱۳۳۰، صحیح مسلم : ۲۰۱/۱، ح : ۵۲۹)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دِن پہلے فرمایا:

((ألا إنّ من كان قبلكم كانوا يتّخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد ، ألا فلا تتّخذوا القبور مساجد ، إنّي أنهاكم عن ذلک)) .

’’خبردار! تم سے پہلے لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔‘‘

(صحیح مسلم : ۲۰۱/۱، ح : ۵۳۲)

اب آپ ان احادیثِ مبارکہ پر غور کریں اور مفتی صاحب کی ’’منطق‘‘ بھی ملاحظہ

فرمائیں: ''دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔'' یہ کہاں تک صحیح ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) فرماتے ہیں: **فهـــــذه المساجد مبنيّة على قبور الأنبياء والصالحين والملوك وغيرهم يتعيّن إزالتها بهدم أو بغيره . هذا ممّا لا أعلم فيه خلافا بين العلماء المعروفين .**

''یہ جو مسجدیں انبیاء وصلحاء اور بادشاہوں کی قبروں پر بنی ہوئی ہیں، ان کو گرا کر یا کسی اور طریقے سے ختم کرنا ضروری ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس میں معروف علمائے کرام کے درمیان کوئی اختلاف میرے علم کے مطابق نہیں۔'' (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية : ١/٣٣٠)

مفتی صاحب حواس باختہ ہو کر لکھتے ہیں: ''حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے، پھر دفن کرتے۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ١ ص ٢٨٤)

تبصرہ : یہاں جائز و ناجائز کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ اس خدشہ کے پیش نظر کیا گیا کہ لوگ کہیں نبیِ اکرم ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں: **ولولا ذلک لأبرز قبره ، غير أنّي أخشى أن يتّخذ مسجدا .**

''اگر اس بات کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کھلی رکھی جاتی، نیز مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں آپ ﷺ کی قبر کو مسجد نہ بنالیا جائے۔''

(صحيح البخاری : ١/١٧٧، ح : ١٣٣٠، صحيح مسلم : ١/٢٠١، ح : ٥٢٨)

حیرانی اس بات پر ہے کہ جو بات عورتیں اور بچے سمجھ لیتے ہیں، وہ مفتی صاحب سمجھ نہیں پائے۔ رہا حجرۂ عائشہ پر گنبد کا مسئلہ تو یہ صدیوں بعد بدعتیوں کی کارروائی ہے۔ ورنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر نبیِ اکرم ﷺ کا محبّ کون تھا؟

جناب احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ''حضرت حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال

ہوگیا۔ ضربت إمرأته القبّة علی قبره سنة . ''توان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔'' ("جاء الحق" از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۵)

تبصرہ : نعیمی صاحب دھوکہ دہی میں بڑے ماہر ہیں، اسی لیے بدعتی ان کے شیدائی ہیں۔ جب قبروں پر گنبد بنانے کے ثبوت پر کوئی وضعی ومن گھڑت روایت بھی پیش نہ کر سکے تو ایک چال چل دی۔ چونکہ اس روایت میں ''القبہ'' کا لفظ آیا تھا، ترجمہ میں بھی ''قبہ'' لکھ دیا کہ جاہل عوام کو یہ باور کرایا جا سکے کہ حسن ابن حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان کی قبر پر ''قبہ'' بنایا تھا، لہٰذا بزرگوں کی قبروں پر گنبد وقبہ بنانا جائز ہوا، حالانکہ یہاں قبہ سے خیمہ مراد ہے۔

رہا مسئلہ اس روایت کے ماخذ وثبوت کا تو لیجیے یہ روایت صحیح البخاری میں تعلیقاً موجود ہے۔

(صحیح البخاری : ۱۳۳۰)

اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔

(تقریب التهذیب لابن حجر : ۵۸۳٤)

مفتی صاحب نے اس روایت کے اگلے الفاظ ذکر نہیں کیے، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ثمّ رفعت ، فسمعوا صائحا يقول : ألا هل وجدوا ما فقدوا ؟ فأجابه آخر : بل يئسوا فانقلبوا . ''پھر اس خیمے کو اٹھا لیا گیا۔ انہوں نے ایک چیخنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا: کیا انہوں نے جو گم پایا تھا، اسے حاصل کر لیا؟ دوسرے نے جواب دیا: بلکہ وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے ہیں۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر خیمہ ان پر رونے کے لیے لگایا گیا تھا، نیز قبروں پر قبے بنانے والے ناکام ومایوس ہی ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

تنبیہ : یہی روایت کتاب الہواتف لابن ابی الدنیا (۱۳۱) میں اس سند

کے ساتھ مذکور ہے: **حدّثنی یوسف بن موسی : ثنا جریر عن ابن خالد ابن مسلمة القرشی ، قال ...** اس سند میں ابنِ خالد بن مسلمہ القرشی کا تعارف اور توثیق مطلوب ہے۔ نیز سند کا اتصال بھی ثابت کیا جائے۔

جناب نعیمی صاحب، شعرانی صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبر پر عمارت بنانا جائز ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''اب تو رجسٹری ہوگئی کہ خود مذہبِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔'' ("جاء الحق" از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۷)

تبصرہ : مفتی صاحب ویسے ہی خوش ہو رہے ہیں۔ قرآن و حدیث سے تو کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکے، امام ابوحنیفہ کے اُڑتے اُڑتے قول پر خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ ہمارا سوال ہے کہ شعرانی کو یہ قول شیطان نے وحی کیا ہے؟ ان لوگوں کی بے بسی پر رونا آتا ہے کہ یہ بدعات اپنانے میں بے باک ہیں اور دلائل میں یتیم و مسکین ہیں۔

فائدہ نمبر ① : عمران بن ابی عطاء بیان کرتے ہیں:

شهدت وفاة ابن عبّاس ، فوليه ابن الحنفيّة ، فبنى عليه بناء ثلاثة أيّام .

''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی۔ ابن الحنفیہ ان کے والی بنے۔ انہوں نے ان پر تین دِن خیمہ لگایا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۳۳۵/۳)

اس کی سند ہشیم بن بشیر الواسطی رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ نمبر ② : محمد بن المنکدر سے روایت ہے:

انّ عمر ضرب على قبر زينب فسطاطا . ''عمر رضی اللہ عنہ نے زینب رضی اللہ عنہا کی قبر پر خیمہ گاڑا'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۳۳۵/۳)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں ابومعشر (نجیح بن عبدالرحمٰن السندی) راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابن العراقی رحمہ اللہ (۷۶۲۔۸۲۶ھ) فرماتے ہیں: **وھو ضعیف عند الجمھور .** ''یہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (طرح التثریب : ۳/ ٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعیف ، أسنّ ، واختلط .**

''یہ ضعیف راوی ہے۔عمر رسیدہ ہو کر اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔'' (تقریب التھذیب : ۷۱۰۰)

محمد بن المنکدر کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع کا مسئلہ ابھی باقی ہے۔

فائدہ جلیلہ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی:

أن لا یضربوا علی قبرہ فسطاطا . ''لوگ ان کی قبر پر خیمہ نہ گاڑیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳/ ۳۳٤، وسندہٗ صحیحٌ)

جہاں کہیں قبہ کا لفظ آیا، یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ اس سے مراد قبر والا قبہ ہے، جبکہ اس قبہ سے مراد خیمہ ہے ۔ بحث قبر پر خیمہ کے بارے میں نہیں ، گنبد کے بارے میں ہے۔اس کے بارے میں کوئی جھوٹی اور من گھڑت روایت بھی وارد نہیں ہوئی۔

جناب نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی ۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب اس کو گرایا تب جواب دیا۔''

("جاء الحق" از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۸)

تبصرہ : ''پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی'' وہ ممانعت کہاں ہے؟

نعیمی صاحب بدعات پر اس قدر ریجھ گئے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جھوٹ باندھنے سے ذرا برابر جھجک محسوس نہیں کرتے ۔ کہتے ہیں کہ ''صحابی نے پختہ مکان گرا دیا'' حالانکہ اس روایت میں پختہ مکان کا کہیں ذکر تک نہیں۔

روایت کے الفاظ ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے **فرأی قبّۃ مشرفۃ .**

''آپ ﷺ نے ایک بلند قبہ دیکھا'' اس کو ناپسند کیا تو صحابی نے اسے گرا دیا۔

(سنن ابی داوٗد : ٥٢٣٥، مسند ابی یعلی : ٤٣٤٧، مشکل الآثار للطحاوی : ٤١٦/١، شعب الایمان للبیهقی : ١٠٧٠٥)

پھر اس روایت کی سند بھی ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی ابوطلحہ الاسدی ''مجہول الحال'' ہے۔ سوائے ابنِ حبان رحمہ اللہ کے اس کی توثیق کسی نے نہیں کی۔ یہ روایت جمیع سندوں کے ساتھ ''ضعیف'' ہے۔

مفتی صاحب نے قبے بنانے کی بجائے قبے گرانے کی بات شروع کر دی ہے۔

جناب نعیمی صاحب اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' **أن یبنی علیه** یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔اس کے بھی چند معنیٰ ہیں: اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جائے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔''

یہ نِری جہالت ہے اور سلف صالحین کی مخالفت ہے، کیونکہ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں سمجھا جو نعیمی صاحب کو سوجھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (١٥٠۔٢٠٤ھ) فرماتے ہیں: **وقد رأیت من الولاة من یهدم بمکّة ما یبنی علیها ، فلم أر الفقهاء یعیبون ذلک .**

''میں نے مکہ میں حکمرانوں کو دیکھا کہ وہ قبروں پر بنی عمارتیں گراتے تھے۔فقہائے کرام میں سے کسی کو میں نے اس پر اعتراض کرتے نہیں دیکھا۔(کتاب الام للشافعی : ٣١٦/١)

کیا کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ لوگ قبروں پر دیوار بناتے تھے۔حکمران لوگ اس کو گراتے تھے اور فقہاء اہل علم اُسے کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے؟

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (٧٦٢۔٨٥٥ھ) لکھتے ہیں: **وأن یبنی علیه ، أی علی القبر لما ذکرنا ، ولفظ البناء عامّ یشمل سائر أنواع البناء ، فالکراهة تعمّ فی الجمیع .** ''قبر پر عمارت بنانا (بھی ممنوع ہے)،جیسا کہ ہم ذکر کر چکے

ہیں۔ بنـــاء (عمارت) کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی عمارت کو شامل ہے، لہٰذا ہر قسم کی عمارت میں کراہت عام ہے۔'' (شرح ابی داوٗد للعینی : ٦/١٨٢)

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: **ولا فـائـــدة فی البناء علیه ، فلذلک نهی عنه .** ''قبر پر تعمیر کا کوئی فائدہ نہیں، اسی لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔''

(حاشیة السندی علی النسائی : ٤/٨٨)

جیسے کہا جاتا ہے: **بـنـی الـسـلـطـان عـلـی مدینة کذا أو علی قریة کذا سورا .** ''فلاں بادشاہ نے فلاں شہر یا بستی پر فصیل بنائی ہے۔''

حالانکہ یہ فصیل بستی یا شہر کے اوپر نہیں بنائی جاتی، بلکہ اس کے اردگرد واقع ہوتی ہے۔ عربی زبان میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق جواب دیتے ہوئے نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے، وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ١ ص ٢٩٣)

اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ مفتی صاحب خوامخواہ پریشان ہو گئے ہیں۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ قبر پر مٹی کی مقدار زیادہ ڈالی جاتی ہے۔ وہ قبر اونچائی میں شرعی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ حرام ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیجا کہ شرعی حد سے اونچی قبر کو شرعی حد کے مطابق اونچا کر دو، نہ کہ قبروں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔

علامہ عینی حنفی (٧٦٢۔٨٥٥ھ) لکھتے ہیں:

قـال ابـن الـجـوزی فی التحقیق : وهذا محمول علی ما کانوا یفعلونه من تعلیة القبور بالبناء الحسن العالی .

''ابن الجوزی نے اپنی کتاب التحقیق میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مصداق وہ کام تھا جو وہ لوگ خوبصورت، بلند عمارت کے ساتھ قبروں کو اونچا کرتے تھے۔''

(شرح ابی داوٗد للعینی : ٦/١٧٤)

مفتی صاحب کہتے ہیں کہ قبریں تو نبیِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں بنتی تھیں ۔ کیا ہر قبر نبیِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں بنائی جاتی تھی ؟

دلیل یہ دیتے ہیں کہ عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں ۔ **أمر النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بقبور المشرکین فنبشت .** ''حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا، پس اکھیڑ دی گئیں ۔'' ("جاء الحق" : جلد ١ ص ٢٩٤)

تبصرہ : یہ روایت صحیح البخاری (١/٦١، ح:٤٢٨) اور صحیح مسلم (١/٢٠٠، ح:٥٢٤) میں ہے ۔ مفتی صاحب کو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قبروں کے متعلق جو حکم دیا تھا، وہ ان کو اکھیڑنے کے متعلق نہیں تھا، نہ ہی ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا تھا، بلکہ شریعت کے مطابق قبر کی اونچائی کو برقرار رکھنے کا تھا ۔ جبکہ صحیح البخاری و مسلم والی حدیث میں مشرکین کی قبروں کو اُکھیڑنے کا حکم دیا گیا ۔ اس کی بھی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ قبریں اونچی تھیں، بلکہ مشرکین کا مسجد کے قریب پُرانا قبرستان تھا ۔ اس قبرستان کو اُکھیڑ کر مسجد بنانا مقصود تھا ۔

② نعیمی صاحب لکھتے ہیں : ''اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے ؟ مسلمانوں کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی قبریں مراد ہیں ۔''

("جاء الحق" : جلد ١ ص ٢٩٤)

نعیمی صاحب نے جہالت کا '' لک '' توڑ دیا ہے ۔ کہتے ہیں '' فوٹو کا کیوں ذکر ہے '' جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج رحمہ اللہ کو دو کاموں کے لیے مامور کیا تھا : ١۔ ہر ذی روح کی تصویر مٹانے کے لیے ۔ ٢۔ ہر قبر کو شرعی اونچائی کے مطابق برابر کرنے کے لیے ۔

یہ مطلب نہ تھا کہ قبروں کے ساتھ تصاویر بھی آویزاں تھیں ۔ ان کو بھی ختم کرنا تھا ۔ آج تک کسی محدث و مفسر نے یہ مطلب نہیں لیا ۔ یہ مفتی صاحب کی اپنی گھڑنتل ہے ۔ کیونکہ سنن

النسائی (۲۰۳۳) میں الفاظ ہیں: **ولا صورة فی بیت إلّا طمستها .**

''کسی گھر میں کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑیں۔''

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''اونچی قبر کو زمین کے برابر کردو اور مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلافِ سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار کی تھیں۔'' ("جاء الحق" : جلد ۱ ص ۲۹٤)

یہ ہے ''مفتی'' صاحب کا مبلغِ علم کہ **سوّيته** کا معنیٰ ہی نہیں سمجھ سکے۔

تسویۃ القبور کا معنیٰ یہ ہے کہ قبر کی شرعی اونچائی برقرار رکھنا نہ کہ پیوند زمین کرنا۔ کہتے ہیں کہ ''مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی ہو'' اس پر کیا دلیل ہے؟

ثابت ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حکم مطلق قبور کے متعلق تھا۔ اس کو کفار کی قبروں کے ساتھ خاص کرنا بے دلیل ہے۔ یہ سلف صالحین کی سخت مخالفت ہے اور حدیث کی معنوی تحریف اور نری جہالت ہے۔

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اونچی قبریں اُکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر گنبد بنائیں۔''

("جاء الحق" : جلد ۱ ص ۲۹٤)

یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اونچی قبریں اُکھڑوانے کا حکم دیا، نہ ہی ان کے فرزند ابنِ حنفیہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنایا۔ قبہ کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس سے خیمہ مراد ہے۔ یہ روایت بھی سنداً ''ضعیف'' ہے۔ اس کے باوجود مفتی صاحب اس کو گنبد کے لیے ثبوت بنانے پر مصر ہیں۔ اس کو کہتے ہیں ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا''

جناب نعیمی صاحب قبوں کا جواز یوں پیش کرتے ہیں: ''قبہ وغیرہ بنانا شرعاً سنتِ صحابہ سے ثابت ہے۔'' ("جاء الحق" : جلد ۱ ص ۲۸۲)

قارئین کرام! مفتی صاحب کی بے باکی ملاحظہ فرمائیں کہ صحابہ کرام پر جھوٹ بولنے پر

کتنے دلیر نظر آتے ہیں۔وہ کون سے صحابی ہیں جنہوں نے قبر پر گنبد بنایا تھا؟

قبروں کو پختہ بنانے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں: ''حضور علیہ السلام نے عثمان بن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی تھی۔'' ("جاء الحق" : جلد ۱ ص ۲۹۰)

یہ نبیِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر صریح جھوٹ ہے اور خالص اہل کتاب کی روش ہے، جیسا کہ ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔

قبروں پر تعمیر کے نقصانات

قبروں پر تعمیر کے بے شمار نقصانات ہیں۔

① امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰۔۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: **وأكره أن يعظّم مخلوق حتّى يجعل قبره مسجدا ، مخافة الفتنة عليه ، وعلى من بعده من الناس .** ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ مخلوق کی اتنی تعظیم کی جائے کہ اس کی قبر کو مسجد بنا دیا جائے۔ خدشہ ہے کہ بنانے والا اور اس کے بعد والے لوگ (شرک) فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔'' (کتاب الام للشافعی : ۱/۲۷۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ② ''اس سے قبر کے پاس نماز پڑھنے کی راہ ہموار ہوتی ہے، حالانکہ نبیِ اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

③ لوگ وہاں دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بدعت ہے۔

④ رسول اللہ ﷺ کی لعنت پڑتی ہے۔ ⑤ اس سے مقبرے آباد اور مسجدیں ویران ہو جاتی ہیں، جبکہ دینِ اسلام اس کے برعکس تعلیم دیتا ہے۔

⑥ بعض زائرین کے سجدہ کرنے کا سبب بنتا ہے اور یہ بت پرستی ہے۔

⑦ مردے کی نذر و نیاز کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ ⑧ مردے کی عظمت و ہیبت لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ ⑨ لوگ مردے

سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں اور مصائب سے نجات طلب کرنے لگتے ہیں۔

یہ تمام مفاسد قبروں پر تعمیر کے مرہونِ منت ہیں۔''

(اغاثہ اللهفان لابن القيم : ۱/۳۰۹۔۳۱۰، ملخصا)

بریلویوں کے ممدوح ابنِ حجر ہیتمی (۹۰۹۔۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

فإنّ أعظم المحرّمات وأسباب الشرک الصلاة عندها واتّخاذها مساجد أو بناؤها عليها. والقول بالكراهة محمول على غير ذلک إذ لا يظنّ بالعلماء تجويز فعل تواتر عن النبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم لعن فاعله، وتجب المبادرة لهدمها وهدم القباب التى على القبور، إذ هى أضرّ من مسجد الضرار، لأنّها أسّست على معصية رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم، لأنّه نهى عن ذلک وأمر صلى اللّٰه عليه وسلم بهدم القبور المشرفة، وتجب إزالة كلّ قنديل أو سراج على قبر، ولا يصحّ وقفه ونذره.

''بڑے بڑے حرام کاموں اور شرک کے اسباب میں سے یہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھی جائے، ان کو مسجد بنا لیا جائے یا ان پر عمارت بنائی جائے۔کراہت کا قول کسی اور بات (حرمت) پر محمول ہے، کیونکہ علمائے کرام کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسے فعل کو جائز قرار دیں، جس کے کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ کی لعنت تواتر کے ساتھ ثابت ہو۔ان کو گرانا واجب ہے، اسی طرح ان قبوں کو بھی گرانا ضروری ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہیں، کیونکہ یہ مسجدِ ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔ ان کی بنیاد رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت پر ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اونچی قبروں کو گرانے کا حکم فرمایا ہے۔اسی طرح قبر پر موجود ہر قندیل اور ہر چراغ کو ہٹانا بھی واجب ہے۔قبر پر وقف و نذر صحیح نہیں۔۔۔''

(الزواجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر الهيتمی : ۱/۱۲۰۔۱۲۱)

بعض لوگ قرآن وحدیث اوراجماعِ امت کی مخالفت کرتے ہوئے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ کہتے ہیں۔ان کے حدیثی دلائل کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بعث النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ببراء ۃ مع أبی بکر ، ثمّ دعاہ ، فقال : لا ینبغی أن تبلغ ھذا عنّی إلّا رجل من أھلی ، فدعا علیّا ، فأعطاہ إیّاہ .

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برائت کے ساتھ بھیجا، پھران کو بلایا اورفرمایا:اس برائت کو میرے گھر والوں میں سے کوئی آدمی پہنچائے تو ہی مناسب ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اوران کوعطا فرمایا۔''(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۱۲/۸۴۔۸۵، مسند الامام احمد : ۳/۲۱۲،۲۸۳، سنن الترمذی : ۳۰۹۰، وقال : حسن غریب ، خصائص علی للنسائی : ۷۵، مشکل الآثار للطحاوی : ۳۵۸۸، ۳۵۸۹، وسندہٗ حسنٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو''حسن''کہا ہے۔(فتح الباری لابن حجر : ۸/۳۲۰)

تبصرہ : نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو کام سونپے تھے۔ پہلا کام امارتِ حج اوردوسرا سورۂ توبہ کی تبلیغ ۔آپ رضی اللہ عنہ امارتِ حج پر بدستور قائم رہے،البتہ سورۂ توبہ کی آیات کی تبلیغ خاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگا دی گئی۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تبلیغِ دین کی اہلیت نہیں رکھتے تھے یا تبلیغِ دین صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا یا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناخوش تھے ۔ایسے بالکل نہ تھا۔نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ صرف یہ بیان کی کہ میرے گھر والوں میں سے ہی کوئی یہ تبلیغ کرے گا۔کیونکہ امارتِ حج اس سے

بھی بھاری ذمہ داری تھی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی اور آخر تک انہوں نے اسے نبھایا تھا۔

صحیح البخاری (۲/۶۷۱، ح:۴۶۵۷) میں ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إنّ أبا بكر رضى الله عنه بعثه فى الحجّة التى أمّره رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عليها قبل حجّة الوداع فى رهط يؤذّن فى الناس أن لا يحجّن بعد العام مشرك ، ولا يطوف بالبيت عريان .

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے قبل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں بھیجا جس میں انہیں لوگوں کے ایک بڑے گروہ میں امیر مقرر کیا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک قطعاً حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف کرے۔''

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ، امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب شرح مشکل الآثار کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: **هذا مشكل ، لأنّ الأخبار فى هذه القصة تدلّ على أنّ النبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم كان بعث أبا بكر بذلك ثم أتبعه عليا فأمره أن يؤذّن فكيف يبعث أبو بكر أبا هريرة ومن معه بالتأذين مع صرف الأمر عنه فى ذلك إلى علىّ ، ثم أجاب بما حاصله أنّ أبا بكر كان الأمير على الناس فى تلك الحجّة بلا خلاف ، وكان علىّ هو المأمور بالتأذين بذلك ، وكأنّ عليّا لم يطق التأذين بذلك وحده ، واحتاج إلى من يعينه على ذلك ، فأرسل معه أبو بكر أبا هريرة وغيره ليساعدوه على ذلك ...**

''اس میں کچھ اشکال ہے، کیونکہ اس قصہ کے بارے میں احادیث یہ بتاتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حکم کے ساتھ بھیجا تھا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کے پیچھے بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ اعلان کریں۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کا اعلان کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف کیسے بھیج سکتے تھے، حالانکہ یہ معاملہ ان سے واپس لے لیا گیا تھا؟ پھر امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے امیر تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس اعلان کا حکم دیئے گئے تھے۔ شاید یہ اعلان اکیلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ معاونت کے لیے لوگوں کے محتاج تھے۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی معاونت کریں۔'' (فتح الباری لابن حجر : ۳۱۸/۸)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ خلافت کے اولین حقدار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، کیونکہ امیر حج آپ تھے۔ رہا سورۂ توبہ کی تبلیغ کا معاملہ تو حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) حدیث کے الفاظ **لا ينبغي أن تبلغ هذا عنّي** کے تحت لکھتے ہیں:

ويعرف منه أنّ المراد خصوص القصّة المذكورة ، لا مطلق التبليغ .

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مخصوص مذکورہ واقعہ تھا، نہ کہ مطلق تبلیغ۔''

(فتح الباری لابن حجر : ۳۱۹/۸)

احمد بن عبد اللہ الطبری لکھتے ہیں: **وهذا التبليغ والاداء يختصّ بهذه الواقعة لسبب اقتضاه ، وذلك أنّ عادة العرب في نقض العهود أن لا يتولّى ذلك إلّا من تولّى عقدها ، أو رجل من قبيلته ، وكان النبي صلّى الله عليه وسلّم ولّى أبا بكر ذلك جريا على عادته في عدم مراعاة العوائد الجاهلية ، فأمره اللّه تعالى أن لا يبعث في نقض عهودهم إلّا رجلا منه قطعا لحججهم وإزاحة لعللهم ، لئلّا يحتجّوا بعوائدهم ، والدليل على أنّه لا يختصّ التبليغ عنه بأهل بيته أنّه قد علم بالضرورة أنّ رسله صلّى الله عليه وسلّم لم تزل مختلفة إلى الآفاق في التبليغ عنه وأداء رسالته وتعليم الأحكام والوقائع يؤدّون عنه صلّى اللّه عليه وسلّم .** ''یہ تبلیغ واداء اس واقعے کے ساتھ خاص ہے جس کا ایک سبب متقاضی تھا۔ عرب کا دستور عہد کو توڑنے کا یہ تھا کہ اس کا اعلان وہی کرتا جس نے عہد کیا تھا یا اس کے قبیلے کا کوئی آدمی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پہلے جاہلیت کے دستور کو مدنظر نہ

رکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے قبیلے کا کوئی آدمی اس کام کے لیے بھیجیں تا کہ ان کی حجت ختم ہو جائے اور ان کے حیلے کٹ جائیں اور وہ اپنے دستور کو دلیل نہ بنائے پھریں۔نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے ساتھ تبلیغ خاص نہ تھی، اس پر دلیل ضروری طور پر معلوم بات ہے کہ تبلیغ، رسالت، احکام کی تعلیم اور پیغامات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں مختلف علاقوں کی طرف مختلف رہے ہیں۔''

(ذخائر العقبیٰ لاحمد بن عبد الله الطبری : ص ۱۲۹)

لہٰذا بعض لوگوں کا اس حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے پر دلیل بنانا، درحقیقت اس بات کا واضح اعتراف ہے کہ وہ دلائل سے تہی دست ہیں۔

فائدہ نمبر ① : جس روایت (مسند الامام احمد: ۱/۳) میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چل دیئے تھے، پیچھے سے جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رو پڑے یا جس روایت میں ہے کہ:

فانصرف أبو بكر ، وهو كئيب . ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رنجیدہ حالت میں واپس آئے۔'' (خصائص علی للنسائی : ۷٦)

یہ دونوں روایات ''ضعیف'' ہیں۔ان میں ابواسحاق راوی کی ''تدلیس'' ہے، جو عن کے لفظ سے بیان کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر ② : امام حسن بصری رحمہ اللہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: **ما أقول فيمن جمع الخصال الأربع : ائتمانه على براء ة ، وما قال له رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فى غزاة تبوک ، فلو كان غير النبوّة شىء يفوته لاستثناه ، وقول النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ((الثقلان كتاب الله وعترتى)) ، وإنّه لم يؤمّر عليه أمير قطّ ، وقد**

أمّرت الأمراء علی غیره . ”میں اس شخص کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جس میں چار خصلتیں جمع ہوں۔ ایک برائت کے اعلان کی امانت کی سپردگی، دوسری غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ان کو فرمانا کہ اگر نبوت کے علاوہ کوئی چیز ان سے رہتی ہوتی تو آپ ان کو خاص کر دیتے۔ تیسری نبی ﷺ کی یہ بشارت کہ دو بھاری چیزیں (جو نجات کی ضامن ہیں)، وہ کتاب اللہ اور میرا خاندان ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ کہ ان پر کبھی کوئی امیر مقرر نہیں کیا گیا، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر امیر مقرر کیے گئے تھے۔“

(شرح نہج البلاغة لابن ابی الحدید : ۱/۴۸۲، طبع بیروت)

تبصرہ : یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔ اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی جمہور محدثین کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”کذاب“ قرار دیا ہے۔

محمد بن عمر الواقدی (م۲۰۷ھ) اور امام حسن بصری (م۱۱۰ھ) کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے تو واقدی نے امام حسن بصری سے کیسے روایت لے لی؟ واقدی سے نیچے بھی سند غائب ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کسی شیطان کی کارستانی ہے۔

یہ بین ثبوت ہے کہ بعض لوگوں کا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا دعویٰ بے ثبوت اور بے دلیل ہے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

هذا أمير البررة ، قاتل الفجرة ، منصور من نصره ، مخذول من خذله .

”یہ علی نیکوکاروں کے امیر اور کافروں کے قاتل ہیں۔ جو شخص ان کی نصرت کرے گا، وہ خود منصور ہوگا اور جو ان کی نصرت سے دست بردار ہوگا، وہ ذلیل وخوار ہوگا۔“

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۳/۱۲۹، ح : ٤٦٤٤، الكامل لابن عدى : ۱/۱۹۲،

تاریخ بغداد للخطیب : ۳/ ۲۱۹)

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔امام ابنِ عدی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: **وهذا حديث منكر موضوع .**

''یہ منکر اور من گھڑت حدیث ہے۔'' (الكامل لابن عدی : ۱/ ۱۹۲)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ''الموضوعات'' (۱/ ۳۵۳) میں ذکر کیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ اُسے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **وهذا حديث صحيح الإسناد .** ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے تعاقب میں لکھتے ہیں: **بل ، واللّٰه ! موضوع ، وأحمد كذّاب ، فما أجهلك على سعة معرفتك !**

''بلکہ اللہ کی قسم یہ من گھڑت روایت ہے ۔ احمد راوی کذاب ہے۔ اتنے وسیع علم کے باوجود آپ اس راوی سے کتنے ناواقف رہ گئے ہیں!'' (تلخيص المستدرك : ۳/ ۱۲۹)

اس روایت کو گھڑنے والا احمد بن عبداللہ بن یزید المکتب راوی ہے۔اس کے بارے میں امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يضع الحديث .** ''یہ احادیث گھڑتا ہے۔'' (الكامل لابن عدی : ۱/ ۱۹۲)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يترك حديثه .** ''اس کی حدیث چھوڑ دی جائے گی۔'' (تاريخ بغداد للخطيب : ٤ ل ٢٢٠، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز اس روایت میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' ہے۔

اس طرح کی جھوٹی اور من گھڑت روایات سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت کرنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

دلیل نمبر ۴ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يـا أنس أوّل من يدخل عليک من هذا الباب أميـر الـمـؤمنين ، وسيّد المسلمين ، وقائد الغرّ المحجّلين ، وخاتم الوصيّين ، قـال أنـس : قـلـت : الـلّٰهـم أجـعـله رجلاً من الأنصار ، وكتمته ، إذ جاء عليّ ، فقـال : من هنا يا أنس ؟ فقلت : عليّ ، فقام مستبشراً فاعتنقه ، ثمّ جعل يمسح عـرق وجهـه بوجهه ، ويمسح عرق عليّ بوجهه ، قال عليّ : يارسول اللّٰه صلّى اللّٰـه عـليـه وسـلّم ! لقد رأيتک صنعت شيئاً ما صنعت بی من قبل ؟ قال : وما يمنعنی وأنت تؤدّی عنّی ، وتسمعهم صوتی ، وتبيّن لهم ما اختلفوا فيه بعدی .

''اے انس ! جوشخص سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا ، وہ امیرالمومنین ، سیدالمسلمین ، روشن اعضاء والے لوگوں کا قائداور خاتم الوصیین ہوگا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دل میں دعا کی: الٰہی! ایسا شخص انصار میں سے قرار دے۔ اچانک علی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں کون ہے اے انس! میں نے عرض کی: علی ہیں۔ آپ ﷺ خوش ہوتے ہوئے اٹھے اوران کو گلے سے لگالیا، پھران کے چہرے کا پسینہ اپنے چہرے کے ساتھ صاف کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کوایسا کام کرتے دیکھا ہے، جوآپ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز مانع ہے۔ آپ میرا پیغام پہنچاتے ہیں۔ لوگوں کو میری آواز سناتے ہیں اور میرے بعد جو وہ اختلاف کریں گے، آپ اس کی وضاحت کریں گے۔''(حلية الاولياء لابی نعيم الاصبهانی : ٦٣/١ـ٦٤)

تبصرہ : یہ گھڑنتل اورا فکِ بین ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو من گھڑت اور خودساختہ قرار دیا ہے۔(ميزان الاعتدال للذهبی : ٦٤/١)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا حديث لا يصحّ .**

''یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔''(الموضوعات لابن الجوزی : ٣٥٠/١)

ابنِ عراق الکنانی نے بھی اُسے من گھڑت قرار دیا ہے۔(تنزیه الشريعة : ١/٢٤)

① اس کے راوی ابراہیم بن محمد بن میمون کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من أجلّاء الشيعة . ''یہ کٹر شیعوں میں سے تھا۔''

(ميزان الاعتدال للذهبى : ١/٦٣)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وذكره الأسدىّ فى الضعفاء وقال : إنّه منكر الحديث ، وذكره ابن حبّان فى الثقات ، ونقلت من خطّ شيخنا أبى الفضل الحافظ أنّ هذا الرجل ليس بثقة .

''اسدی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یہ منکر الحدیث راوی ہے۔ابنِ حبان نے اسے ثقات (٨/٧٤) میں ذکر کیا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالفضل الحافظ کے خط سے نقل کیا ہے کہ یہ آدمی ثقہ نہیں ہے۔''(لسان الميزان لابن حجر : ١/١٠٧)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

(زوائد مسند البزار)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے اُسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(مجمع الزوائد : ٣/٢٧١)

نیز اسے ثقہ بھی کہا ہے۔(مجمع الزوائد : ١٠/٢٥٢)

لہٰذا یہ دونوں قول ساقط ہیں۔اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② القاسم بن جندب کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

③ علی بن عابس ''ضعیف'' راوی ہے۔(تقريب التهذيب لابن حجر : ٤٧٥٧)

دلیل نمبر ⑤ : نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو مسلمانوں میں عقدِ مواخات قائم کیا۔صحابہ کرام کو بھائی بھائی بنایا اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔

تبصرہ : عقدِ مواخات میں نبیِ اکرم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنانا ثابت نہیں۔اس حوالے سے دلائل کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ ہو:

① نبیِ اکرم ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ہم باہم بھائی ہیں۔(سیرة ابن هشام : ۱٤۲/۲)

تبصرہ : یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

② سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يؤاخي بين أصحابه ، فقال : عليّ أخي ، وأنا أخوه ، وأحبّه ...**

''رسولِ اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھائی چارہ کرا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی میرے بھائی ہیں ۔ میں ان کا بھائی ہوں ۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔''(الكامل فی ضعفاء الرجال : ۱۳۲/۷)

تبصرہ : یہ سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی ہیاج بن بسطام ہروی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔اس کو امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابوحاتم الرازی، امام ابنِ حبان، امام ابنِ عدی وغیرہم رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **ضعيف ، روى عنه ابنه خالد منكرات شديدة .** ''یہ ضعیف راوی ہے۔اس سے اس کے بیٹے خالد نے شدید منکر روایات بیان کی ہیں۔''(تقريب التهذيب لابن حجر : ۷۳٥٥)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عليّ أخي وصاحبي وابن عمّي ، وخير من أترك بعدي يقضي ديني وينجز موعدي . ''علی میرے بھائی ہیں اور دوست ہیں اور چچازاد ہیں اور ان لوگوں میں سے سب سے بہتر ہیں، جن کو میں بعد میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ میرے قرض

چکائیں گے اور میرے وعدے پورے کریں گے۔'' (الکامل لابن عدی : ٦/٣٩٧)

تبصرہ : اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی مطر بن میمون الاسکاف باتفاق محدثین سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس کے حق میں ادنیٰ کلمہ توثیق ثابت نہیں۔

اسے امام بخاری، امام ابوحاتم الرازی، امام نسائی وغیرہم نے ''منکرالحدیث'' کہا ہے۔ امام یعقوب بن سفیان، امام ابنِ عدی وغیرہمانے ''ضعیف'' کہا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **متروک .**

''یہ متروک راوی ہے۔'' (تقریب التھذیب لابن حجر : ٦٧٠٣)

نیز حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔

(تھذیب التھذیب لابن حجر : ١٠/١٥٤)

ان کے علاوہ جتنی بھی روایات وارد ہوتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مواخات کا ذکر ہیں۔ وہ ساری کی ساری ''ضعیف'' اور ناقابل حجت ہیں۔اگر کسی کے پاس ایک روایت بھی حسن سند کے ساتھ موجود ہو، جس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھائی کہا ہے۔ہم اس کا جائزہ پیش کریں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اصولِ محدثین کی روشنی میں اس حوالے سے ایک روایت بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ مدعی پر باسندِ صحیح دلیل لازم ہے۔

البتہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا ہے، جیسا کہ:

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو كنت متّخذا خليلا لاتّخذت أبا بكر ، ولكن أخي وصاحبي .

''اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔''

(صحیح البخاری : ٣٦٥٦، صحیح مسلم : ٢٣٨٣عن عبد الله بن مسعود)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنّ أمنّ الناس عليّ في صحبته وماله أبو بكر ، ولو كنت متّخذا خليلا ، غير ربّي لاتّخذت أبا بكر خليلا ، ولكن أخوّة الإسلام ومودّته ...

''لوگوں میں سے مجھ پر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے شخص ابوبکر ہیں۔اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور محبت ومودّت ہے۔'' (صحیح البخاری : ٣٦٥٤، صحیح مسلم : ٢٣٨٢)

سیدہ خولہ بنت حکیم نے جب نبی اکرم ﷺ کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عائشہ تو نبی اکرم ﷺ کے بھائی ابوبکر کی بیٹی ہے۔رشتہ کیسے ہوگا؟اس پر نبی اکرم ﷺ نے سیدہ خولہ سے کہا کہ سیدنا ابوبکر کو کہیں:

أنت أخي في الإسلام ، وأنا أخوك ، وابنتك تصلح لي .

''آپ میرے اسلامی بھائی ہیں۔میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ کی بیٹی میرے (نکاح کے) لیے جائز ہے۔'' تب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سیدہ عائشہ کا نکاح کر دیا۔(المعجم الکبیر للطبرانی : ٢٣/٢٣، ح : ٥٧، وسندہٗ حسنٌ)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ورجاله رجال الصحيح غير محمّد بن عمرو بن علقمة ، وهو حسن الحديث .** ''اس کے سارے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں،سوائے محمد بن عمرو بن علقمہ کے اور وہ حسن الحدیث ہیں۔''

(مجمع الزوائد للهيثمي : ٩/٢٢٥)

دلیل نمبر ⑦ : **روى (ابراهيم بن الحسين [م ٢٨١]) ابن ديزيل قال : حدّثنا يحيى بن زكريّا قال : حدّثنا عليّ بن القاسم عن سعيد بن طارق عن عثمان بن القاسم عن زيد بن أرقم قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : ((ألا أدلّكم على ما إن تساء لتم عليه لم تهلكوا ؟ إن وليّكم الله**

وإنّ إمامكم عليّ بن أبي طالب ، فناصحوه ، وصدّقوه ، فإن جبريل أخبرني بذلك . ''سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر اتفاق کرلو تو ہرگز ہلاک نہ ہوگے۔(وہ امر یہ ہے کہ)تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارے امام علی بن ابی طالب ہیں۔تم ان سے خیر خواہی کرو، ان کی تصدیق کرو۔مجھے یہ بات جبریل علیہ السلام نے بتائی ہے۔''

(شرح نهج البلاغة لابن ابی الحدید : ١/٥٧٠، طبع بیروت)

تبصرہ : یہ روایت کئی وجوہ سے باطل ہے۔ابنِ دیزیل کا ''جزء'' اور ''کتاب الصفین'' دونوں مفقود ہیں۔ائمہ اہل سنت میں سے کسی نے یہ روایت ذکر نہیں کی۔ابن ابی الحدید کی نقل پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

① اس کے راوی علی بن القاسم کا تعین اور اس کی توثیق مطلوب ہے۔اگر یہ الکندی ہے تو ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ليس بقويّ .**

''یہ قوی نہیں ہے۔'' (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٢٠١/٦)

امام عقیلی فرماتے ہیں: **شيعيّ ، فيه نظر ، ولا يتابعه إلّا من هو دونه أو نحوه .** ''یہ شیعہ ہے۔اس کی روایت محل نظر ہے۔اس کی متابعت اس سے کمزور یا اسی طرح کے کمزور راوی نے کی ہے۔'' (الضعفاء الكبير للعقيلي : ٢٤٨/٣)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **شيعيّ غال .** ''یہ غالی شیعہ ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبی : ١٥٠/٤)

صرف امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ''الثقات'' (٤٨٩/٨) میں ذکر کیا ہے، لہٰذا اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② اس کے راوی عثمان بن القاسم کی تعیین وتوثیق درکار ہے، نیز اس کا سیدنا زیدبن ارقم رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کیا جائے۔

③ ہمارے رجحان کے مطابق راوی یحییٰ بن زکریا دراصل زکریا بن یحییٰ الکسائی ہے، جوکہ ''متروک'' ہے۔اس کے بارے میں امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أكثر الأحاديث التى يرويها فى فضائل أهل البيت الذى يقع فيه النكرة ومثالب غيرهم من الصحابة التى كلّها موضوعات ، وهذا الذى قال ابن معين يحدّث بأحاديث سوء ، إنّما يرويه فى مثالب الصحابة .

''اس کی بیان کردہ اکثر احادیث اہل بیت کے فضائل میں ہیں، وہ منکر روایات ہیں۔دیگر صحابہ کے عیوب ونقائص پر مبنی جو روایات اس نے بیان کی ہیں، وہ ساری کی ساری جھوٹی ہیں۔ اس راوی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بُری روایات بیان کرتا ہے۔یہ صحابہ کرام کے عیوب پر مبنی روایات بیان کرتا ہے۔''

(الكامل لابن عدى : ٢١٤/٣، وفى نسخة : ١٠٧٠/٣)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رجل سوء يحدّث بأحاديث سوء .**

''یہ بُرا آدمی ہے اور بُری احادیث بیان کرتا ہے۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلى : ٨٦/٢، وسندهٗ صحيحٌ)

خود امام عقیلی رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کو باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔(ايضاً)

امام نسائی رحمہ اللہ (الضعفاء والمتروکون :ص ۱۷۹، ت :۲۱۱) اور امام دارقطنی رحمہ اللہ (الضعفاء والمتروکون: ۲۴۰) نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے واہٍ (کمزور) قرار دیا ہے۔(ميزان الاعتدال : ١٥٠/٤)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

دعا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عليّا يوم الطائف فانتجاه ، فقال الناس : لقد طال نجواه مع ابن عمّه ، فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : ((ما انتجيته ، ولكنّ اللّٰه انتجاه)) . ''رسول اللہ ﷺ نے طائف والے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی ۔ لوگوں نے کہا: آپ ﷺ کی اپنے چچازاد کے ساتھ سرگوشی لمبی ہوگئی ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی ، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی ہے ۔'' (سنن الترمذی : ۳۷۲۶، وقال : حسن غريب ، المعجم الكبير للطبراني : ۲/۱۸۶، ح : ۱۷۵۶، السنة لابن ابی عاصم : ، مسند ابی يعلى : ۲/۵۷۹، اخبار اصبهان : ۱/۱٤۱، تاريخ بغداد للخطيب : ۷/٤۰۲)

تبصرہ : اس کی سند ابوالزبیر کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، کیونکہ سماع کی تصریح نہیں کی۔

فائدہ نمبر ① : مستدرکِ حاکم (۳/۱۳۹) میں جو روایت کہ وقتِ وفات نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی تھی۔ وہ بھی ''ضعیف'' ہے۔ اس میں مغیرہ ابن مقسم راوی ''مدلس'' ہے، جو کہ عن کے لفظ سے روایت کررہا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ عن یا قال کے الفاظ سے روایت کرے تو ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ سماع کی تصریح کردے۔

فائدہ نمبر ② : زوائد مسند الامام احمد (۱/۱۰۵) اور المختارہ للضیاء (۶۱۷) میں جو روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی ۔ وہ سلیمان بن مہران الاعمش کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

دلیل نمبر ⑨ : نبیِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((أمّا بعد ! فإنّي أمرت بسدّ هذه الأبواب ، إلّا باب عليّ ، وقال فيه قائلكم ، وإنّي والله ما سددتّ شيئا ولا فتحته ، ولكنّي أمرت بشيء فاتّبعته))

''اما بعد! میں نے ان تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تھا، سوائے علی کے دروازے کے۔ اس کے بارے میں بعض تمہارے لوگوں نے باتیں کی ہیں۔ بلاشبہ اللہ کی قسم میں نے نہ کسی چیز کو بند کیا ہے اور نہ کسی چیز کو کھولا ہے، بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ حکم دیا گیا اور میں نے اس کی پیروی کی۔'' (مسند الامام احمد : ٤/٣٦٩، خصائص علی للنسائی : ٣٨، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٣/١٢٥)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کا راوی میمون ابوعبداللہ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (تقريب التهذيب : ٧٠٥١)

لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہنا صحیح نہ ہوا اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۷/۱۳) کا اس راوی کو ثقہ کہنا صحیح نہ ہوا۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وثّقه ابن حبّان ، وضعّفه جماعة . ''اسے امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے، لیکن ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ٩/١١٤)

فائدہ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وسدّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أبواب المسجد غير باب عليّ ، فكان يدخل المسجد جنبا ، وهو طريقه ليس له طريق غيره .

''رسولِ اکرم ﷺ نے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے، سوائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔ آپ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہوتے۔ آپ کا یہی راستہ تھا

اور کوئی راستہ نہ تھا۔'' (مسند الامام احمد : ۱/ ۲۳۰، ۳۳۱، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل : ۱۱۶۸، السنة لابن ابی عاصم : ۱۳۵۱، مسند البزار (کشف : ۲۵۳٦) خصائص علی للنسائی : ۲٤،٤۳، المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۲۵۹۳، المستدرك للحاکم : ۳/ ۱۳۲۔۱۳۳، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے معارض ایک متفق علیہ حدیث بھی ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا یبقینّ فی المسجد باب إلّا سدّ إلّا باب أبی بکر .** ''مسجد میں کوئی دروازہ نہ چھوڑا جائے، مگر بند کر دیا جائے، سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔'' (صحیح البخاری : ۱/ ۵۱٦، ح : ۳٦۵٤، صحیح مسلم : ۲/ ۲۷۳، ح : ۲۳۸۳)

ان دونوں روایات کی تطبیق یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کے اردگرد کتنے ہی گھر تھے۔ ان کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ باہر کی طرف تھا اور ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے مسجد کی طرف کھلنے والے سبھی دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا کہ ان کا دروازہ بند نہیں ہوگا۔ رہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ تو وہ ایک ہی دروازہ تھا، جو مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ باہر کی طرف دروازہ تھا ہی نہیں، جیسا کہ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ جو مسجد کی طرف کھلتا تھا، وہ بند نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اہلِ علم نے کچھ یوں بیان کی ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۸٤۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

قال العلماء : هذا إشارة إلی الخلافة . ''علمائے کرام نے کہا ہے کہ یہ خلافت کی طرف اشارہ تھا۔'' (تاریخ الخلفاء للسیوطی : ص ٦۱)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵٤ھ) اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه دلیل علی أنّ الخلیفة بعد رسول اللّٰه صلی الله علیه و سلم کان أبو بکر إذ المصطفی صلّی اللّٰه علیه وسلّم حسم عن الناس کلّهم أطماعهم فی أن یکونوا خلفاء بعده غیر أبی بکر بقوله : ((سدّوا عنّی کلّ خوخة فی المسجد غیر خوخة أبی بکر)) . ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے

بعد خلیفہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ مصطفی ﷺ نے خلافت کے بارے میں سب لوگوں کا طمع یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ: مجھ سے مسجد میں ہر کھڑکی بند کر دو، سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔''

(صحیح ابن حبان ، تحت حدیث : ٦٨٦٠)

ابنِ بطال رحمہ اللہ (م ۴۴۹ھ) لکھتے ہیں: **کما اختصّ هو أبا بكر بما لم يخصّ به غيره ، وذلك أنّه جعل بابه فى المسجد ليخلفه فى الإمامة ليخرج من بيته إلى المسجد كما كان الرسول يخرج ، ومنع الناس كلّهم من ذلك دليل على خلافة أبى بكر بعد الرسول .**

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس چیز کے ساتھ خاص کیا ہے، جس کے ساتھ ان کے علاوہ کسی کو خاص نہیں کیا۔ وہ اس طرح کہ ان کا دروازہ مسجد میں رکھا تا کہ ان کو امامت میں اپنا خلیفہ بنائیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے گھر سے مسجد میں نکل سکیں، جس طرح رسولِ اکرم ﷺ نکلتے تھے۔ آپ ﷺ نے سب لوگوں کو اس سے روک دیا۔ یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔''

(شرح البخاری لابن بطال : ١٤٢/٣)

علامہ ابنِ رجب رحمہ اللہ (۷۳۶۔۷۹۵ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وذكر فى هذه الخطبة تخصيص أبى بكر من بين الصحابة كلّهم بالفضل ، وأومأ إلى خلافته بفتح بابه إلى المسجد ، وسدّ أبواب الناس كلّهم ، نفى ذلك إشـــــارة إلى أنّه هو القائم بالإمامة بعده ، فإنّ الإمام يحتاج إلى استطراق المسجد ، وذلك من مصالح المصلين فيه .

''نبیِ اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں سب صحابہ کرام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور مسجد میں ان کے دروازے کے کھلنے سے ان کی خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے اور سب لوگوں کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس نفی میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اکیلے ہی

آپ ﷺ کے بعد خلافت کے اہل ہوں گے، کیونکہ امام مسجد میں زیادہ آنے کا ضرورتمند ہوتا ہے۔اسی میں نمازیوں کی مصلحت ہوتی ہے۔'' (فتح الباری لابن رجب : ٢/٥٤٧)

حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۱۹۔۳۸۸ھ)اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی أمره بسدّ الأبواب الشارعة إلى المسجد غير بابه اختصاص شديد له ، وأنّه أفرده بأمر لا يشاركه فيه أحد ، وأوّل ما يصرف التأويل فيه الخلافة ، وقد أكّد الدلالة عليها بأمره إيّاه بإمامة الصلاة التى لها بنى المسجد ، ولأجلها يدخل إليه من أبوابه ، ولا أعلم دليلا فى إثبات القياس والردّ على نفاته أقوى من إجماع الصحابة على استخلاف أبى بكر ، مستدلّين فى ذلک باستخلاف النبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم إيّاه فى أعظم أمور الدين ، وهو الصلاة ، وإقامته إيّاه فيها مقام نفسه ، فقاسوا عليها سائر أمور الدين .

'' آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کے نبوی حکم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی خصوصیت موجود ہے۔آپ ﷺ نے ان کو ایسے معاملے میں انفرادی حیثیت دی ہے کہ اس میں کوئی ان کا شریک نہیں۔اس کی سب سے پہلی تعبیر خلافت ہی ہے۔اس کی دلالت کو مزید پختہ نبیِ اکرم ﷺ کے ان کو نماز کی امامت کے حکم نے کر دیا ہے۔نماز کے لیے ہی تو مسجد بنائی گئی تھی ،اسی نماز کے لیے اس کے دروازوں میں سے داخل ہوا جاتا ہے۔میں اس قیاس کے اثبات اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے ردّ میں خلافتِ ابوبکر پر صحابہ کرام کے اجماع سے بڑھ کر کوئی قوی دلیل نہیں جانتا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس بات سے دلیل لے رہے تھے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے نماز جیسے سب سے بڑے دینی معاملے میں اپنا نائب بنا دیا ہے اور اپنے مصلی امامت پر فائز کیا ہے۔انہوں نے اس نماز پر باقی امورِ دین کو قیاس کر لیا۔''

(فتح الباری لابن رجب : ٢/٥٥٦)

دلیل نمبر ⑩ : جب سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۶ نازل ہوئی تو نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا:

((**اللّٰھمّ ھؤلاء أھلی**)). ''اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں۔'' (صحیح مسلم : ۲۴۰۴)

تبصرہ : بے شک اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے، مگر وہ اس فضیلت میں منفرد نہیں، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں۔

سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے اوپر چادر ڈال کر اللہ تعالیٰ سے تین بار یہ دعا کی:

((**اللّٰھمّ أھلی بیتی ، أذھب عنھم الرجس ، وطھّرھم تطھیرا**)) ،

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دُور کر اور ان کو خوب پاک کر دے۔''

میں نے کہا: **ألست من أھلک ؟ قال : بلی ، فادخلی الکساء ، قالت : فدخلت فی الکساء بعد ما قضی دعاءہ لابن عمّہ علیّ وابنیہ وابنتہ فاطمۃ رضی اللہ عنھم .** ''کیا میں آپ کے اہل میں سے نہیں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ چادر میں داخل ہو جائیں۔ آپ ﷺ کے اپنے چچا زاد علی رضی اللہ عنہ، ان کے دونوں بیٹوں اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرنے کے بعد میں چادر میں داخل ہو گئی۔'' (مسند الامام احمد : ۶/۲۹۸، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث سے ''پنجتن'' کی بجائے ''چھ تن'' ثابت ہو رہے ہیں۔ نبیِ اکرم ﷺ اپنی زوجہ محترمہ امّ المومنین سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی چادر کے نیچے رکھا۔

قارئین کرام! یہ وہ دلائل ہیں، جن کی بنیاد پر بعض لوگ اجماعِ صحابہ کی مخالفت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرتے ہیں، نیز ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اصحابِ رسول غاصب اور ظالم تھے۔ **العیاذ باللہ !**

اللہ ربّ العالمین کا یہ فضلِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت و مغفرت کے اسباب مہیا کیے ہیں ۔ ان میں سے ایک سبب سورۂ بقرہ کی آخری آیاتِ بیّنات بھی ہیں۔ ان کی فضیلت نبیِ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنیے:

① سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وأوتيت هؤلاء الآيات من آخر سورة البقرة من كنز تحت العرش ، لم يعط مثله أحد قبلي ، ولا أحد بعدي . ''مجھے سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئی ہیں۔ ان جیسی آیات نہ پہلے کسی کو ملی ہیں اور نہ بعد میں کسی کو ملیں گی۔''

(السنن الکبریٰ للنسائی : ۸۰۲۲، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیثِ مبارکہ کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۶۴) اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۶۴۰۰) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو تین چیزیں دی گئیں: ۱۔ پانچ نمازیں ۲۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور ۳۔ شرک کے سوا آپ کی امت کے لیے تمام گناہوں کی معافی۔'' (صحیح مسلم : ۱۷۳)

③ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنّ اللّٰه كتب كتابا قبل أن يخلق السماوات والأرض بألفي عام ، فأنزل منه آيتين ختم بهما سورة البقرة ، ولا تقرآن في دار ثلاث ليال ، فيقرّ بها شيطان .

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے دو ہزار پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیات نازل فرمائیں، جن کے ساتھ سورۂ بقرہ کا اختتام فرمایا۔ جس بھی مکان میں یہ آیتیں دن راتیں پڑھ دی جائیں، شیطان اس میں ٹھہر نہیں سکتا۔''

(مسند الامام احمد : ۲۷۴/۴، سنن الترمذی : ۲۸۸۲، وقال : حسن غریب ، مسند الدارمی : ۴۴۹/۲، المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۵۶۲/۱، ۲۶۰/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۷۸۲)اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے ۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

④ ابوالاسود ظالم بن عمرو الدؤلی کہتے ہیں: ''میں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مجھے وہ قصہ بیان کریں، جب آپ نے شیطان کو پکڑ لیا تھا۔ انہوں نے بتایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے صدقہ (کی حفاظت) پر متعین کیا۔ کھجوریں کمرے میں پڑی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کم ہو رہی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھجوریں شیطان لے جاتا ہے۔ ایک دن میں کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ اندھیرا اس قدر شدید تھا کہ اس نے دروازے کو ڈھانپ لیا۔ شیطان نے ایک صورت اختیار کی، پھر دوسری صورت اختیار کی۔ وہ دروازے کے شگاف سے اندر گھس آیا۔ میں نے بھی لنگوٹا کس لیا۔ اس نے کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ میں نے جھپٹ کر اُسے دبوچ لیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! (تو کیا کر رہا ہے؟) اس نے کہا: مجھے جانے دو۔ میں بوڑھا ہوں اور کثیر الاولاد ہوں۔ میرا تعلق نصیبین (بستی کا نام) کے جنوں سے ہے۔ تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پہلے ہم بھی اسی بستی کے باسی تھے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے تو ہمیں یہاں سے نکال دیا گیا۔ (خدارا!) مجھے چھوڑ دیں۔ میں دوبارہ کبھی نہیں آؤں گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر سارا معاملہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ معاذ بن جبل کہاں ہے؟ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے قیدی کا کیا معاملہ ہے؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا معاملہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عنقریب دوبارہ ضرور آئے گا۔ آپ بھی دوبارہ جائیں۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ شیطان آیا، دروازے کے شگاف سے اندر گھسا اور کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ میں نے اس کے ساتھ وہی پہلے والا معاملہ کیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تُو نے آئندہ کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے کہا: میں آئندہ کبھی نہیں آؤں گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی تم میں سے سورۂ بقرہ کی (آخری آیات **لله ما فی السموات والأرض ...**) نہیں پڑھے گا تو اسی رات ہم میں سے کوئی اس کے گھر میں داخل ہو جائے گا''(الھواتف لابن ابی الدنیا : ۱۷۵، دلائل النبوة لأبی نعیم : ۵٤۷، المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۰/۱٦۱۔۱٦۲، المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۱/۵٦۳، دلائل النبوة للبیهقی : ۷/۱۰۹۔۱۱۰، وسندہٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑤ ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من قرأ بالآیتین من آخر سورة البقرة فی لیلة کفتاه**)) ''جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھ لے گا، وہ اس کو کافی ہو جائیں گی۔'' (صحیح البخاری: ۵۰۰۹، صحیح مسلم: ۸۰۸)

کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۔ یہ شیطان کہ شرانگیزیوں سے حفاظت دیں گی۔ ۲۔ ناگہانی مصائب اور آفات سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔ ۳۔ نمازِ تہجد سے کفایت کریں گی۔

ذرا سوچئے! ہمارے گھرانے خیر و بھلائی سے کس قدر محروم ہیں! اتنے بڑے نافع اور مفید عمل سے خالی اور شر سے لبریز ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ آپ اپنے گھر میں یہ سراسر خیر و برکت والا عمل کب شروع کرنے والے ہیں؟

⑥ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام، نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگاہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آواز سنی۔ آپ ﷺ نے سر مبارک اوپر اٹھایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے، جسے صرف آج کھولا گیا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ جو آج اُترا ہے، آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا۔ اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دو نُوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان میں جو حرف بھی پڑھیں گے، اس کا مصداق آپ کو مل جائے گا۔'' (صحیح مسلم: ۸۰۶)